ڈاکٹر اسرار احمد اور مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کے تصوّر خلافت کا تقابلی جائزہ

A Comparative Study of Dr Israr Ahmed and Maulana Abul Ala Maududi's Concept of Khilafat

***Dr.Nosheen Zaheer[1]**
****Dr Shahzadi Pakeeza**
*****Sadia Ishfaq**

ABSTRACT

Islamicaly the term of Khilafat is a broader term that refers to the leadership of Muslim community established after the demise of Prophet Muhammad (P.B.U.H) who believes that sovereignty is only for Allah and he will govern the Muslims community as Khalifah (caretaker) by enforcing Islamic Shariah to the land. Dr. Israr and Maulana Maududi are the two renowned Muslim scholars who have their own individual concepts of Khilafat. The aim of this paper is to explore and also compare the concepts of the Khilafat of these two scholars to find the similarities and differences between these two individual ideologies regarding khilafat. In this regards focus will be that how these two scholars define the term Khilafat? Is the present system of governance compatible whith Islamic concept of Khilafat? What are their concepts of Islamic state in the specific scenario of Pakistan? What are the rights of non-Muslims in Pakistan? How this concept of Khilafat will be practically implemented in Muslim community? What will be the role of Muslim women in the Islamic state where Khilafat will be implemented?

Key Words: Khilafat, Khulfai Rashdeen, Islamic State, Democracy-

اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہبری و رہنمائی کے لیے مختلف ادوار و اوقات میں اور مختلف اقوام میں انبیائے کرامؑ بھیجے۔ ہر پیغمبر کے ساتھ اسی کی امّت کے چند چنے ہوئے لوگ ہوتے جن کی حیثیت ان کے مددگار کی سی ہوتی۔ پیغمبر کی رحلت کے بعد ان ہی کے تربیت یافتہ افراد ان کے کام اور پیغام کو آگے لے کر بڑھتے۔ ان افراد کو کبھی حواری کہا گیا اور

*Associate Professor, Islamic Studies Department, SBKWU Quetta
** Assistant Professor, Islamic Studies Department, FJU Rawalpindi
***MPhil Scholar, Islamic Studies Department, SBKWU Quetta

کبھی خلیفہ اور ان کا دور حکمرانی، دور خلافت کہلایا۔ خلافت کے لغوی معنی ہیں نیابت کرنا، کسی کا نائب ہونا۔ اس کی مختلف اشکال ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو خلافت کی بنیاد اسی وقت رکھ دی گئی تھی جب اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا ارادہ فرمایا: وَاِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً [2] ''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں''

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کرہ ارض پر انسان اللہ کا نائب ہے اور اس کے احکامات کو من و عن نافذ العمل کرنے کا پابند ہے۔ خلافت کا نقطہ آغاز حضرت آدمؑ ہیں ان سے یہ سلسلہ تمام انبیائے کرامؑ سے ہوتا ہوا حضرت محمد ﷺ تک آن پہنچتا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں۔ جس طرح آپ کی آمد کے بعد نبوّت کے سلسلے کو ختم کر دیا گیا اور آپؐ کو خاتم النبیّین قرار دیا گیا اسی طرح آپ ﷺ کا وجود کامل، خلیفتہ اللہ کے سلسلے کی بھی آخری کڑی قرار پایا اور آپؐ کے بعد خلیفتہ الرسولؐ کا سلسلہ شروع ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ساتھ چنی ہوئی امّت کے چنے ہوئے اصحاب منسلک فرمائے۔ صحابہ کرامؓ اپنے ہر عمل میں حضور ﷺ کی پیروی کرتے تھے۔ حضورؐ کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ کے کندھوں پر امت کی رہنمائی کا فریضہ تھا۔ صحابہ کرامؓ کا ہر عمل قرآن و سنّت کی عملی تفسیر تھا۔ اس لئے ان کا طرز حکمرانی بھی قرآن و سنّت کا عملی اتّباع تھا۔ جیسے جیسے وقت گزرتا چلا گیا حضورؐ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ کی تعداد کم ہوتی چلی گئی اور ان کی جگہ نو آموز اور غیر تربیت یافتہ افراد نے لے لی تو آہستہ آہستہ حالات میں بگاڑ آتا چلا گیا اور خلافت وقت کے ساتھ ساتھ ملوکیت اور پھر بادشاہت میں بدلتی چلی گئی۔

ہر دور میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے احیائے خلافت اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے نہ صرف جہاد بالقلم کیا بلکہ عملی میدان میں بھی سرگرم رہے۔ ان میں ڈاکٹر اسرار احمد[3] اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی[4] کے نام قابل ذکر ہیں۔

---

2 ۔القرآن الکریم البقرۃ: ۳۰

3 ۔ ۱۴اپریل ۱۹۳۲ء کو بھارت کے شہر حصار میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں سے حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء میں گورنمنٹ ہائی سکول حصار سے میٹرک پاس کیا۔ قیام پاکستان کے بعد اپنے والدین کے ہمراہ پاکستان ہجرت کی۔ ۱۹۵۴ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کی تعلیم

مماثلت

ڈاکٹر اسرار احمد اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے تصوّر خلافت میں بہت حد تک مماثلت پائی جاتی ہے جس کی وجہ ان دونوں کا خلافت کی تعریف و تشریح کا قرآن کریم سے اخذ کرنا ہے۔

ا۔ تصوّر خلافت میں مماثلت:

خلافت ایک ایسا منصب ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسان کو عطا کیا گیا۔ یہ ایک ایسا نظام حکومت ہے جس کی بنیاد حاکمیت الٰہی پر ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد اور مولانا مودودی قرآن کی روشنی میں خلافت کی وضاحت کرتے ہیں۔ دونوں داعیان خلافت کرہ ارض پر بعد از اسلام، اولین اور کامل ترین خلافت، خلافت رسول اللہ ﷺ پر نہ صرف ایمان رکھتے ہیں بلکہ اسی انداز خلافت کے دوبارہ قیام کے خواہش مند ہیں۔ دونوں اکابر اس بات کے قائل ہیں کہ حاکمیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور خلافت اللہ کی نیابت کا نام ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق خلافت، حاکمیت کی ضد ہے اور حاکمیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور کوئی نہیں جو اللہ بزرگ و برتر کے سوا حاکمیت کا دعویدار ہو۔[5] چنانچہ اسلامی نقطہ نظر سے جو بھی غیر اللہ اپنی حاکمیت اور فرمانروائی کا دعویٰ کرے وہ گویا خدائی کا دعویدار ہے اور اللہ کا نافرمان ہے۔ اپنی اس بات کی تفصیلی وضاحت دینے کے لئے وہ فرعون مصر کی مثال پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فرعون مصر کا دعویٰ بھی یہی تھا کہ، ''انا ربکم الاعلیٰ'' اس اس کا ذکر اللہ تعالیٰ اس طرح بیان فرماتا ہے:

مکمل کی۔ اسی برس ڈاکٹر اسرار احمد نے جماعت اسلامی کی رکنیت حاصل کی۔ بعد ازاں جب جماعت اسلامی نے سیاسی میدان میں قدم رکھا تو اصولی اختلاف کی بناء پر ڈاکٹر اسرار احمد نے ۱۹۵۷ میں جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔

4۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ۱۹۰۳ بمطابق ۱۳۲۱ھ میں اورنگ آباد (دکن) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤاجداد میں ایک مشہور بزرگ خواجہ قطب الدّین مودود چشتی گذرے تھے جو خواجہ معین الدّین چشتی اجمیری کے شیخ الشیوخ تھے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے ترجمان القرآن کے ذریعے ایک پابندِ اسلام جماعت کے قیام کی تجویز پیش کی۔ اس سلسلے میں ترجمان القرآن میں مضامین بھی شائع کئے۔ جو لوگ اس تجویز سے اتفاق رکھتے تھے وہ ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو لاہور میں جمع ہوئے اور ''جماعتِ اسلامی'' قائم ہوئی۔ جس وقت جماعت اسلامی قائم ہوئی، پورے ہندوستان سے اس میں صرف ۷۵ آدمی شامل ہوئے تھے۔ اس اجتماع میں مولانا مودودی کو جماعت کا سربراہ منتخب کیا گیا۔

5۔ ڈاکٹر اسرار احمد، : خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام (لاہور، مکتبہ جدید پریس، ۱۹۸۲) ص ۴۷

وَنَادٰی فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِه قَالَ یٰقَوْمِ اَ لَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُتَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ[6] ''اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرادی، کہااے میری قوم! کیا مصر پر میری فرمانروائی نہیں، کیا یہ نہریں میرے زیر فرمان رواں نہیں

ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک دراصل اس کا دعویٰ بھی حاکمیت ہی کا تھااور اس کے اس دعویٰ کو خدائی کا دعویٰ قرار دیا گیا۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے خلافت کی جو تعریف بیان کی اس کے مطابق خلافت کی صحیح صورت یہ ہے کہ ریاست اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی قانونی بالادستی تسلیم کر کے اس کے حق میں حاکمیت سے دستبردار ہو جائے اور حاکم حقیقی کے تحت خلافت (نیابت) قبول کرلے اور اس خلیفہ کی حیثیت سے اس کے ہر قسم کے اختیارات چاہے وہ تشریعی ہوں یا قانونی اور انتظامی، لازماً ان حدود سے محدود ہوں گے جن کا تعین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔[7]

یا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَة فِی الْاَرْضِ فَا حْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہ [8] ''اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا، تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں راہ سے بھٹکا دے گی"۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے نزدیک فلسفہ سیاست کی رو سے اگر تصور کائنات کا جائزہ لیا جائے تو درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

ا۔ اللہ تعالیٰ اس پوری کائنات کا، خود انسان کا اور ان تمام چیزوں کا خالق ہے جن سے انسان اس دنیا میں مستفید ہوتا ہے۔

۲۔اپنی پیدا کردہ اس خلق کا مالک، فرمانروا اور مدبر و منتظم بھی وہی ہے۔

۳۔اس کائنات میں حاکمیت ایک صرف اللہ کے سوا نہ کسی کی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔نہ کسی کا یہ حق ہے کہ حاکمیت میں اسکا کوئی حصہ ہو۔

6-القرآن الکریم، ۴۳:۵۱
7-سید ابوالاعلیٰ مودودی،،:''خلافت وملوکیت''(معراج دین پرنٹرز، ۲۰۰۰)، ص ۲۳
8-القرآن الکریم، ۲۶: ۳۸

۴۔ حاکمیت کی جملہ صفات واختیارات صرف ایک اللہ ہی کی ذات میں مذکور ہیں۔ اس کائنات میں کوئی ان صفات اور اختیارات کا حامل سرے سے ہے ہی نہیں۔[9]

درج بالا تصّور کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا مودودی کے مطابق حاکمیت الٰہیہ کے بعد اختیارات ارضی کے لئے انسان کو ''خلافت'' دی گئی اور اس خلافت کا جو صحیح تصور قرآن نے دیا ہے وہ یہ ہے کہ زمین میں انسان کو جو بھی قدرتیں حاصل ہیں، خدا کی بخشش اور عطا سے حاصل ہیں۔ خدا نے خود انسان کو اس حیثیت میں رکھا ہے کہ وہ اس کی بخشی ہوئی طاقتوں کو اس کے دیئے ہوئے اختیار سے اس کی زمین میں استعمال کرے۔ اس لئے انسان یہاں کرہ ارض پر مالک و مختار نہیں بلکہ اصل مالک کا خلیفہ ہے۔

۲۔ عصر حاضر کے سیاسی نظام کی مخالفت:

ڈاکٹر اسرار احمد اور مولانا مودودی موجودہ سیاسی نظام سے مخالفت رکھتے ہیں۔ ان دونوں کے نزدیک عصر حاضر کا سیاسی نظام ملحدانہ اور مشرکانہ ہے جس نے مذہب کو بالکل بے دخل کر دیا ہے اور مذہب کو صرف عبادات تک ہی محدود کر دیا ہے۔[10] ان کے نزدیک موجودہ دور کا سیاسی نظام وہ سیاسی نظام ہے جس کے مطابق انسان کے اجتماعی معاملات میں مذہب کا کوئی دخل نہیں۔ اس نظام کے مطابق مذہب صرف انفرادی معاملہ کا نام ہے اور اس نظام کی رو سے انسان کو یہ اختیار ہے کہ وہ چاہے تو ایک خدا کو مانے اور چاہے تو سینکڑوں کو۔ یہ اس کی صوابدید پر ہے کہ اگر وہ چاہتا ہے تو کسی کو بھی نہ مانے تو بھلے نہ مانے اس پر کوئی قدغن نہیں۔ وہ اپنے عقائد خود وضع کرنے میں بالکل آزاد ہے۔ اس سیاسی نظام میں کسی مذہب کا کوئی دخل نہیں۔ اس میں پارلیمنٹ، عدلیہ یا انتظامیہ میں کسی مذہب یا مذہبی پیشوا کو مداخلت کرنے کا کوئی حق واختیار نہیں۔ کاروباری ادارے ہوں یا سماجی نظام، کسی بھی مذہب کی پابندیوں اور قیود سے آزاد ہے۔ یہ ہم خود بنائیں گے۔ اس نظام میں قانون سازی کا صرف ہمیں حاصل ہے۔ قوانین کثرت رائے سے بنائے جائیں گے اس میں کسی قسم کی مذہبی پاسداری کا خیال نہیں رکھا جائے گا۔ گویا کہ اس سے پورے سماجی، سیاسی اور اجتماعی نظام سے خالق کائنات کی نفی کر دی گئی ہے۔ اور یہ اعلان ہے اس بات کا کہ اس نظام کو کسی آسمانی

9۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی: ''خلافت وملوکیت''، (معراج دین پرنٹرز، ۲۰۰۰ع)، ص ۳۳۔۔۔۸۱۔۵۱

10۔ ڈاکٹر اسرار احمد، : اسلام کا مستقبل، (لاہور، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ۲۰۰۴، ص ۱۱۔۹

ہدایت سے کوئی سروکار نہیں۔ کسی خدائی قانون کا کوئی اعتبار نہیں۔ کسی الہامی کتاب کی پیروی نہیں ہر مذہب کے پیروکار اپنی اپنی مذہبی کتب کا مطالعہ کریں، تلاوت کریں، لیکن اپنی اپنی عبادت گاہوں کی حد تک ہی خود کو محدود رکھیں۔ان کی شریعت قابل نفاذ نہیں ہوگی۔[11] ڈاکٹر اسرار احمد اور مولانا مودودی کے نقطہ ء نظر کے مطابق یہ نظام جو آج اس پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے قطعی طور پر ناقابل قبول ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ اگر ہم نے یورپ کے سیاسی اور عمرانی اصولوں کو اسلامی اصولوں کے ساتھ اختیار نہ کیا تو اپنا ہی نقصان کریں گے۔ دنیا میں رائج مختلف نظام ہائے حکومت میں ڈاکٹر صاحب کو صدارتی نظام سب سے بہتر لگتا ہے۔[12] ان کے نزدیک خلافت راشدہ کے قریب تر اور عقلی اعتبار سے زیادہ معقول اور مسلم نظام، صدارتی نظام ہے نہ کہ پارلیمانی۔ انہیں اس کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ جدید ریاست کے جو تین اہم گوشے عدلیہ، مقننہ اور انتظامیہ مقرر کیے گیے ہیں وہ صدارتی نظام میں بالکل علیحدہ ہوتے ہیں۔انتظامیہ کا سربراہ (صدر) منتخب ہونے کے بعد مقننہ کے دستِ نگر نہیں ہوتا اور بڑے اطمنان اور یکسوئی سے انتظامی امور سرانجام دیتا ہے۔ قانون سازی مقننہ کا کام ہے اور وہ بغیر کسی خارجی دباؤ کے اپنا کام کرتی ہے۔اسی طرح عدلیہ بھی پوری آزادی کے ساتھ آئین و قانون کی حفاظت کی ذمہ داری نبھاتی ہے۔اس کے برعکس پارلیمانی نظام میں مقننہ اور انتظامیہ گڈ مڈ ہوتے ہیں، جو مسائل کا بنیادی سبب بنتا ہے۔[13] مولانا مودودی کا ماننا ہے کہ موجودہ سیاسی نظام اور سیاسی نظریات مسلمان ممالک پر مغربی قوموں کے طویل سیاسی غلبہ نے مسلط کیا۔ مغربی اقوام نے اپنے قوانین رائج کیے۔ اپنا تعلیمی اور معاشی نظام متعارف کروایا اور اس سے پہلے رائج نظام کو عضو معطل بنا کر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ مقامی تہذیب اور تمدن میں بھی مغربی اثرات شدت سے نمایاں ہوگئے جس کی وجہ سے موجودہ سیاسی نظام نے مکمل طور پر مغربی رنگ ڈھنگ اختیار کر کے اپنی اصل ہیئت کھو کر موجودہ ہیئت اختیار کر لی۔اب تو یہ حال ہے کہ مغربی استعمار نے جاتے جاتے زیر تسلط مسلم ممالک میں ایک ایسا طبقہ تیار کر دیا جو جسمانی طور پر تو ہمارا ہے لیکن علمی، ذہنی اور اخلاقی لحاظ سے مکمل طور پر مغربی

11۔ایضاً

12۔اسرار احمد، ڈاکٹر: خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام، (لاہور، مکتبہ جدید پریس، ۱۹۸۲)، ص ۸

13۔ایضاً، ص ۹۰

رنگ لیے ہوئے ہے۔ مولانا صاحب کے نزدیک یہ سیاسی نظام اپنی تمام تر خامیوں اور کجی کے ساتھ ناقابل قبول ہے۔

۳۔ قیام پاکستان کے محرکات اور ان سے انحراف

ڈاکٹر اسرار احمد یہ تسلیم کرتے ہیں کہ پاکستان کی تجویز علامہ اقبال نے خطبہ الٰہ آباد میں پیش کی۔ اس تجویز کو وہ ایک پیشین گوئی تصّور کرتے ہیں کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک مسلمان ریاست قائم ہو گی۔ علامہ اقبال کے جو الفاظ ڈاکٹر صاحب نے تحریر کیے وہ کچھ اس طرح ہیں۔ ''اسلام کے لئے یہ ایک موقع ہو گا کہ عرب ملوکیت کے تحت اس پر جو پردے پڑ گئے تھے، ان سے چھٹکارا حاصل کر سکے اور اپنے قوانین، تعلیمات اور ثقافت کو اپنی اصل روح کے ساتھ روح عصر سے ہم آہنگ کر سکے۔''[14] علامہ اقبال کی اس بات کی اپنے انداز میں وضاحت کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ علامہ اقبال کے بقول عرب دور ملوکیت میں اسلام کے چہرے پر جو بدنما دھبے پڑ گئے تھے، ہمیں موقع مل جائے گا کہ انہیں ہٹا کر اسلام کا روشن چہرہ لوگوں کو دکھا سکیں۔ ڈاکٹر صاحب اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ دور ملوکیت سے پہلے دور سے اقبال کی مراد خلافت راشدہ ہی ہے۔ اگرچہ اس میں انہوں نے خلافت راشدہ کا نام نہیں لیا اور اس میں بھی علامہ اقبال نے حکیمانہ بات کی ہے کہ اس زمانے کے جو تقاضے ہیں ان کے مطابق اجتہاد کے دروازے کھول کر یہاں خلافت راشدہ کی طرز کا نظام قائم کیا جائے۔

ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک قیام پاکستان ایک معجزہ تھا اور اس کا قیام اصل میں اللہ تعالیٰ کی حکمت عملی، اس کی مشیت اور اس کی تدبیر سے ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ اگر کوئی قوم اللہ سے وعدہ کرے کہ اے اللہ ہمیں آزادی دے ہم تیرے دین کا بول بالا کریں گے، تو اللہ اسے ضرور آزادی دیتا ہے۔[15]

قیام پاکستان کے بعد قائد اعظم پاکستان کو کس رخ پر لے جانا چاہتے تھے، اس کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے قائد اعظم کا ایک واقعہ، ان کا علاج کرنے والے ڈاکٹر، پروفیسر ڈاکٹر ریاض علی شاہ صاحب کی زبانی کچھ اس طرح بیان کیا کہ قائد اعظم نے ان سے فرمایا، ''تم جانتے ہو کہ جب مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ پاکستان بن چکا ہے تو

14۔ ڈاکٹر اسرار احمد، علامہ اقبال، قائد اعظم اور نظریہ پاکستان (، آئیڈیل پرنٹنگ پریس لاہور، ۲۰۰۷ ص ۲۵

15۔ ڈاکٹر اسرار احمد، :استحکام پاکستان، (لاہور، مکتبہ جدید پریس، ۱۹۹۸۲ء)، ص ۴۳۔۴۴

میری روح کو کس قدر اطمنان ہوتا ہے۔ یہ مشکل کام تھا اور میں اسے اکیلا نہیں کر سکتا تھا۔ میرا ایمان ہے کہ یہ رسول خدا ﷺ کا روحانی فیض ہے کہ پاکستان وجود میں آیا۔ اب یہ پاکستانیوں کا فرض ہے کہ وہ اسے خلافت راشدہ کا نمونہ بنائیں تاکہ خدا اپنا وعدہ پورا کرے اور مسلمانوں کو زمین کی بادشاہت دے۔[16]

ڈاکٹر اسرار احمد اسی قرارداد مقاصد کو پاکستان میں نظام خلافت کی بنیاد قرار دیتے ہیں قرارداد مقاصد اب ھمارے دستور کا آرٹیکل 2اے ھے۔ اس کی تفصیل ڈاکٹر صاحب کچھ اس طرح بتاتے ھیں۔ کہ حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالی کی ہے اور خلافت انسانوں کی، خاص طور پر مسلمانوں کی جو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں۔ حاکم مطلق اللہ تعالیٰ ہے، رسول اکرم ﷺ اس کے نمائندے ہیں۔ قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا جو حکم آ گیا، وہ تو واجب التعمیل اور واجب الاطاعت ہے، اس سے آپ اِدھر اُدھر نہیں جا سکتے۔ البتہ باقی معاملات قرآن و حدیث کے دائرے کے اندر اندر ''امرھم شوریٰ بینھم'' کے اصول کے تحت باہمی مشورے سے طے کئے جائیں گے۔ یہ خلافت ہے۔ ہمارے پاس جو اختیارات ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مقدس امانت ہیں جو انہیں حدود کے اندر اندر استعمال کئے جائیں گے جو قرآن و حدیث میں متعین کر دیے گئے ہیں۔[17] ڈاکٹر صاحب کے مطابق یہ آرٹیکل در حقیقت دستور کے اندر خلافت کی بنیاد کے قیام کے لئے کافی تھا۔ بشرطیکہ اس دفعہ کو پورے دستور پر حاوی کر دیا جاتا اس صورت میں پھر اس کے بعد کسی دفعہ کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ اس کے مطابق پورا دستور اسلامی بن جاتا۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد اسلام کی جانب کوئی پیش رفت نہ ہو سکی اور اب پاکستان کی سیاست پر سیکولرزم کا رنگ چھایا ہوا ہے۔[18]

مولانا مودودی کا موقف یہ ہے کہ کسی بھی انقلاب سے پہلے قوموں میں تمدنی، معاشرتی اور ذہنی انقلاب آنا لازم ہے اور اسے وہ اسلامی انقلاب کا فطری طریقہ سمجھتے تھے ان کا خیال یہ تھا کہ اب جب کہ ہندوستان میں سیاسی انقلاب (قیام پاکستان کی شکل میں) پہلے آیا ہے اس لئے اب اس سیاسی طاقت کو اسلام کے نظام کے قیام کے لئے

16- ڈاکٹر اسرار احمد،، علامہ اقبال، قائد اعظم اور نظریہ پاکستان (، آئیڈیل پرنٹنگ پریس لاہور، ۲۰۰۷)، ص ۴۱

17- ایضاً۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ص ۴۲

18- ایضاً۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ص ۴۳۔ ۴۲

استعمال کرنا چاہئے۔ مولانا مودودی کا یہ ماننا ہے کہ چونکہ سیاسی انقلاب لانے والی قیادت اسلامی انقلاب سے نابلد ہے اس لئے اسے اس قوم کی قیادت سے دستبردار ہوتے ہوئے قیادت اہل علم و اسلامی انقلاب کی رہنماء قیادت کے سپرد کردے تاکہ آنے والی قیادت کے لئے اس مملکت خدا ئیداد میں اسلامی نظام قائم کرسکے۔[19]

۴۔اللہ سے وعدہ خلافی اور اس کا انجام

ڈاکٹر اسرار احمد غیر عرب اقوام میں سے سب سے بڑا مجرم پاکستانی قوم کو قرار دیتے ہیں کیونکہ ہم نے اسلام کے نام پر ملک حاصل کیا تھا۔ ہم نے ''پاکستان کا مطلب کیا، لا الہٰ الا اللہ'' کے نعرے لگائے تھے۔ لیکن ۵۳ برس کا عرصہ گزرنے کے باوجود اس ملک میں سلام کہیں نظر نہیں آتا بلکہ جو اسلام پہلے تھا، اب تو ہم اس سے بھی بہت دور جا چکے ہیں۔[20] قائد اعظم نے دس برس ۱۹۳۷ سے ۱۹۴۷ تک اسلام کا نام لیا اور پاکستان میں نظام اسلام کے نفاذ کا وعدہ کیا مگر ہم نے ان کے گذر جانے کے بعد اس سے انحراف کیا اور اللہ سے کئے گئے وعدے کو بھی بھلا دیا۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق کبھی ہم بھی ایک قوم ہوتے تھے لیکن اب قومیتوں میں تحلیل ہو چکے ہیں۔ اب تو عصبیتیں ہی عصبیتیں ہیں۔ صوبائی، علاقائی اور لسانی عصبیتیں ہیں۔ مذہبی اختلافات ہیں جنہوں نے ہمیں جکڑ رکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے خیال کے مطابق سقوط ڈھاکہ ہمارے لئے اللہ کی طرف سے عذاب اور تنبیہ تھی کہ ہم اللہ سے کئے گئے وعدے کی طرف لوٹ آئیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَلَنُذِيقَنَّهمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَ كْبَرِ لَعَلَّهمْ يَرْجِعُوْنَ[21] ''اور لازماً ہم انہیں بڑے عذاب سے قبل چھوٹے عذاب کا مزہ چکھائیں گے تاکہ وہ لوٹ آئیں۔''

ڈاکٹر صاحب سقوط ڈھاکہ کو چھوٹا عذاب اس لئے سمجھتے ہیں کہ بھلے مشرقی پاکستان نے ہم سے علیحدہ ہو کر بنگلہ دیش کے نام سے ایک الگ ملک کی حیثیت اختیار کرلی، لیکن ابھی بھی وہاں پر اسلامی حکومت قائم ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ابھی ہمیں مزید مہلت دی ہے اور ہمیں اس مہلت کی قدر کرنی چاہیے۔

19۔ڈاکٹر اسرار احمد، :اسلام اور پاکستان،،(لاہور، شرکت پرنٹنگ پریس، ۲۰۰۵)، ص ۳۰

20 ۔ڈاکٹر اسرار احمد،، پاکستان میں نظام خلافت، کیا کیوں اور کیسے ؟،(لاہور، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ۲۰۰۵)، ص ۶۴

21۔القرآن الکریم، السجدۃ: ۲۱

ڈاکٹر صاحب سمجھتے ہیں ہمارے اخلاق کا دیوالیہ نکل گیا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں وارد حدیث مبارکہ میں منافق کی تین نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ جھوٹا ہوتا ہے اور وعدہ خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ وہ خائن بھی ہے۔

حدیث مبارکہ ہے: حَدَّثَنَا سُلَیْمَانٌ اَبُو الرَّبِیْعِ قَالَ: حَدَّثَنَا اِسْمَاعِیْلٌ بْنُجَعْفَرٍ قَالَ:حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ مَالِکِ بْنِ اَبِی عَامِرٍ اَبُوسُھلٍ عَنْ اَبِیْه عَنْ اَبِیُ ھرَیْرَة عَنْ النَّبِیُﷺ قَالَ:آیَة الْمُنَافِقِ ثَلاَثٌ: اِذَاحَدَّثَ کَذَبَ،وَاِذَا وَعَدَاَخْلَفَ،وَاِذَا ائتُمِنَ خَانَ [22]"ہم سے سلیمان ابوالربیع نے بیان کیا، ان سے اسماعیل بن جعفر نے، ان سے نافع بن عامر ابوسہیل نے، وہ اپنے باپ سے، وہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، منافق کی علامتیں تین ہیں۔ جب بات کرے، جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے اس کے خلاف کرے اور جب اس کو امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ایک روایت میں چار نشانیاں مذکور ہیں، چوتھی یہ کہ اقرار کر کے دغا کرنا، ایک روایت میں پانچویں نشانی یہ بتائی گئی ہے کہ تکرار میں گالی گلوچ بکنا، الغرض یہ جملہ نشانیاں نفاق سے تعلق رکھتی ہیں۔ جس میں یہ سب جمع ہو جائیں اس کا ایمان یقیناً محل نظر ہے مگر احتیاطاً اس کو عملی نفاق قرار دیا گیا ہے جو کفر نہیں ہے۔[23]

جب ڈاکٹر صاحب ان علامات کے حوالے سے اپنے معاشرے کا جائزہ لیتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ جو جتنا بڑا ہے وہ اتنا ہی بڑا جھوٹا ہے۔ جس کا دنیاوی رتبہ جتنا بلند ہے، وہ اتنا ہی بڑا خائن اور وعدہ خلاف ہے۔ ملک میں اربوں کھربوں روپے کے غبن اور گھپلے ہوئے ہیں۔ ہمارے اعلیٰ افسران نے ڈاکو بن کر اس ملک کو لوٹا ہے۔ ملک میں لڑائیاں جھگڑے اور قتل و غارت روز مرّہ کا معمول بن چکا ہے۔ چھوٹے چھوٹے جھگڑے اور تکرار پر چاقو، چھریاں اور گولیاں چل جاتی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی جان کی قیمت اور اہمیت ایک مکھی کی جان سے زیادہ نہیں ہے۔ یہاں ڈاکٹر صاحب یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا یہی ہے وہ نفاذ شریعت کی عملی صورت، جس کا ہم نے تحریک

22- ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، مترجم مولانا علامہ محمد داؤد راز، (صحیح بخاری)، جلد اول، باب الایمان، حدیث نمبر ۳۳، ص ۲۱۶

23- ایضاً

پاکستان کے دوران وعدہ کیا تھا؟ ہم جمہوریت کے ساتھ اسلام کا نام شامل کر کے اسے اسلامی جمہوریت کہتے رہے ہیں، حالانکہ جمہوریت، خلافت کی مکمل ضد ہے۔

خلافت اللہ کی حاکمیت کے آگے مکمل طور پر سر تسلیم خم کر کے اس کی نیابت قبول کرنے کا نام ہے جبکہ جمہوریت میں حاکمیت کا سرچشمہ عوام ہیں۔اس نظام میں فیصلے انسانوں (عوام) کی کثرتِ رائے سے کئے جاتے ہیں یہی چیزاس نظام کو کفر اور شرک کا نظام بناتی ہے۔ کسی بھی ملک کی اہم اور اعلیٰ دستاویز،اس ملک کا دستور ہوتا ہے۔ڈاکٹر صاحب پاکستان کے دستور کو منافقت کا پلندہ قرار دیتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ منافق وہ ہوتا ہے جو ظاہر میں مسلمان اور باطن میں کافر ہو۔پاکستان کے دستور کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔اس دستوری نفاق کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کا ماننا تھا کہ اگر قرارداد مقاصد کو بقیہ دستور پر حاوی قرار دے دیا جاتا تو بھی یہ اس ملک میں اسلامی نفاذ کے قیام کے لئے کافی تھا۔مگر ایسا نہ کیا گیا۔[24]

ڈاکٹر صاحب کے خیال کے مطابق کیونکہ اللہ اگرچہ ہر جگہ موجود ہے مگر وہ عملی طور پر اس دنیا میں موجود نہیں اور ہمارے اور اس کے درمیان غیب کا پردہ حائل ہے، لہذا اللہ کی حاکمیت کا نفاذ حقیقت میں کتاب وسنت کی غیر مشروط اور بلا استثناء بالادستی ہی سے ممکن ہو سکتا ہے۔دستور میں اگر کتاب وسنت کی بالادستی قائم کر دی جائے تو اس طرح اللہ کی حاکمیت کا تقاضا پورا ہو سکتا ہے۔[25] ڈاکٹر صاحب سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس پہلو سے بھی اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔اور یہ دھوکہ اس طرح ہے کہ ہم نے دستور میں یہ دفعہ رکھی کہ، ''قرآن اور سنت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہوگی''،لیکن اس دفعہ کو محض ''رہنما اصول کی حیثیت دی گئی نہ کے عملی ضابطہ کی۔[26] گویا کہ اصول کی حد تک کتاب وسنت کی بالادستی قبول ہے لیکن اس کی بنیاد پر عدالتوں میں کوئی معاملہ زیرِ بحث نہیں آسکتا تھا۔اس لئے ڈاکٹر صاحب سمجھتے ہیں کہ پاکستان اپنا جواز کھو رہا ہے۔ کیونکہ یہاں اس نظام کی طرف کوئی پیش رفت نہیں ہوئی جس کے لئے پاکستان بنا تھا۔

24-ڈاکٹر اسرار احمد، علامہ اقبال، قائدا عظم اور نظریہ پاکستان،(آئیڈیل پرنٹنگ پریس لاہور،۲۰۰۷)، ص ۴۲

25-ڈاکٹر اسرار احمد، پاکستان میں نظام خلافت، کیا کیوں اور کیسے ؟(،لاہور، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور ۲۰۰۵)، ص ۶۸۔۶۷

26-ایضاً۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۶۸

مودودی صاحب جمہوریت کے سب سے بڑے مخالف تھے۔ مودودی صاحب کے خیال کے مطابق جب تک انسانی حاکمیت کے غیر واقعی تصوّر کی جگہ خلافت الہٰی کا واقعی تصوّر نہ لے لے گا اس وقت تک انسانی تمدّن کی بگڑی ہوئی کل کبھی بھی درست نہ ہو سکے گی پھر چاہے سرمایہ داری کی جگہ اشتراکیت قائم ہو جائے۔ ڈکٹیٹر شپ کی جگہ جمہوریت متمکن ہو یا امپیریلزم کی جگہ قوموں کی حکومتِ خود اختیاری کا قاعدہ نافذ ہو جائے۔ مودودی صاحب کا ماننا ہے کہ موجودہ زمانے میں جتنے جمہوری نظام بنے ہیں، (جن کی شاخ ہندوستان کی موجودہ اسمبلیاں بھی ہیں) وہ اس مفروضے پر مبنی ہیں کہ باشندگانِ ملک اپنے دینوی معاملات کے متعلق تمدن سیاست، معیشت، اخلاق اور معاشرے کے اصول خود وضع کرنے اور ان پر تفصیلی قوانین وضوابط بنانے کا حق رکھتے ہیں اور اس قانون سازی کے لئے رائے عامہ سے بالاتر کسی سند کی ضرورت نہیں۔ یہ نظریہ اسلام کے بالکل برعکس ہے۔ اس لئے مولانا مودودی کا یقین یہ تھا کہ کہ جو اسمبلیاں یا پارلیمنٹیں موجودہ زمانے کے جمہوری اصول پر مبنی ہیں، ان کی رکنیت حرام ہے اور ان کے لئے ووٹ دینا بھی حرام ہے۔

پاکستان سے پہلے تو مودودی صاحب نے مندرجہ بالا نظریات کے تحت انگریزی اقتدار سے ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے بھی نہ تو مسلم لیگ کا ساتھ دیا اور نہ ہی کانگریس کا، کیونکہ ان کے نزدیک ان دونوں پارٹیوں کے نظریات اسلام کے خلاف تھے۔

۵۔ ریاست کا مقصد وجود

مولانا مودودی کا ماننا ہے کہ اللہ کی سیاسی اور قانونی حاکمیت کا تصور اسلام کے اولین بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے۔ شروع سے آج تک تمام فقہائے اسلام اس پر متفق ہیں کہ حکم دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ پس کوئی اسلامی دستور اس کے بغیر بن ہی نہیں سکتا کہ اس میں سب سے پہلے اللہ کی سیاسی اور قانونی حاکمیت کا اقرار کیا جائے اور واضح الفاظ میں یہ لکھا جائے کہ یہ ریاست اللہ کی مطیع ہے اور اسی کو حاکم اعلیٰ تسلیم کرتی ہے اور اس کے احکام کو واجب العمل مانتی ہے۔ ایک اسلامی ریاست کے دستور کی دوسری بنیاد یہ ہے کہ اللہ کی حاکمیت کے اقرار کے بعد دوسرا اقرار یہ ہونا چاہیے کہ اس ریاست میں کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بھی ماخذ قانون کی حیثیت حاصل ہو گی۔ اور اس کی انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ میں سے کسی کو بھی کتاب وسنت کے خلاف احکام

دینے، قانون بنانے اور فیصلہ کرنے کا اختیار نہ ہو گا۔ اگر ریاست پہلے ہی قدم پر یہ مان لے کہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کا حکم اس کے لئے برتر قانون کی حیثیت رکھتا ہے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کے مقابلے میں حاکمیت سے دستبردار ہو گئی ہے، بلکہ حکمرانی میں اس کے ایجنٹ (خلیفہ) کی حیثیت اختیار کر لی ہے تو اس کے لئے درست اصطلاح ''خلافت'' ہی ہو گی۔[27] دوسرا یہ کہ جب یہ خلافت تمام مسلمانوں کو من حیث الجماعت سونپ دی گئی تو اس کا لازمی تقاضا ہے کہ حکومت مسلمانوں کی مرضی سے بنے گی اور ان کے مشورے سے کام کرے گی۔ یہ حکومت صرف اس وقت تک حکمران رہے گی جب تک مسلمان اس سے راضی رہیں گے۔[28] ان دونوں نکات کو سامنے رکھ کر اسلامی ریاست کا دستور ایسے بنایا جائے کہ اس میں ریاست کی حیثیت میں ''خلافت'' نمایاں ہو۔

ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق ایک ریاست کا وجود اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس ریاست کے باشندے وہاں اپنے مذہبی نظریات، رسوم و رواج اور تہذیب و تمدن کے مطابق اپنی زندگی گذار سکیں۔ ایک اسلامی ریاست کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے مطابق زندگی گذاری جائے اور اللہ کا نظام قائم کیا جائے کہ دین اسلام اپنا غلبہ چاہتا ہے۔ اسلام صرف ایک مذہب نہیں ہے بلکہ ایک دین ہے، ایک مکمل ضابطہء حیات ہے ایک مکمل نظام ہے اور مذہب اس کا صرف ایک حصّہ ہے۔ مذہب کا تعلق صرف عقائد، عبادات اور فرائض سے ہے جبکہ دین کسی بھی انسان کی انفرادی زندگی، اور اقوام کی اجتماعی زندگی کے ہر ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے۔ اس لئے دین پر آزادی سے عمل کرنے کے لئے ریاست کا وجود ناگزیر ہے۔

ریاست پر حاکمیت الہیٰ کے تصور کی وجہ سے اسے تھیا کریسی کے قریب سمجھا جاتا ہے جبکہ حاکمیت الہیٰ کا نظریہ تھیا کریسی سے بالکل مختلف ہے۔ تھیا کریسی ایک ایسا طریق حکمرانی ہے جس میں دیوتا کو ریاست کا سربراہ مانا جاتا ہے اور اس کے احکامات کو حکومتی کتاب کا درجہ دیا جاتا ہے۔ ان قوانین کو نافذ کرنے والے افراد وہ چاہے بادشاہ ہوں یا مذہبی رہنما، کسی کو جوابدہ نہیں جس کی وجہ سے یہ نظریہ آمرانہ انداز اختیار کر لیتا ہے۔ اس میں ریاست کا سربراہ مطلق

27۔ سید، ابوالاعلیٰ مودودی، : ''اسلامی ریاست''، (لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۶۷)، ص ۳۹۴۔۳۹۸

28۔ ایضاً، ص ۳۹۴

العنان حیثیت اختیار کر لیتا ہے جو اپنے کسی بھی عمل کے لئے کسی کو جوابدہ نہیں اس کے برعکس حاکمیت الٰہی میں حاکم اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے اور انسان اللہ کے احکامات کو مکمل طور پر نافذ کرنے کے لئے روئے زمین پر اللہ کا نائب ہے۔ بطور نائب انسان اپنے ہر عمل کے لئے جوابدہ ہے۔ اگر خلیفہ کوئی بھی عمل یا فیصلہ اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کی شریعت واحکامات کے مطابق نہیں کرتا تو ریاست کے اہل افراد نہ صرف اس سے وضاحت طلب کر سکتے ہیں بلکہ اسے معزول کر کے اہل خلیفہ لانے کے اہل و مجاز بھی ہیں۔ دین اسلام کا یہ طرز عمل عین فطرت کے مطابق ہے۔ خلیفہ وقت پر نگرانی کا یہ عمل اسے پابند کرتا ہے کہ اپنے اقوال وافعال میں اللہ اور اس لے رسول ﷺ کے احکامات کا پاسدار رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ریاست کی ذمہ داری بھی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی شریعت پر عمل کرنے میں خلیفہ کی مددگار ہوں۔ جس طرح ریاست کے لئے دین لازمی جزو ہے اسی طرح دین پر آزادی سے عمل کرنے کے لئے ریاست کا وجود ناگزیر ہے۔

۶۔ غیر مسلم کے حقوق

غیر مسلموں کے حقوق کے حوالے سے دونوں داعیان خلافت کے نظریات وتصّورات میں مماثلت پائی جاتی ہے۔

[29] مولانا صاحب کہتے ہیں کہ اسلام شہریت کی دو اقسام بیان کرتا ہے۔

۱۔ مسلم ۲۔ ذمی

اسلامی ریاست کے شہری ہونے کی دو بنیادوں کو وہ سورۃ الانفال کی درج ذیل آیت سے اخذ کرتے ہیں:

اِنَّ الَّذِینَ اٰمَنُوا وَ ھاجَرُوا وَ جٰہدُوا بِاَموَالِہم وَ اَنفُسِہم فِی سَبِیلِ اللہ وَ الَّذِینَ اٰوَوا وَّ نَصَرُوا اُولٰئِکَ بَعضُہم اَولِیَاءُ بَعضٍ وَ الَّذِینَ اٰمَنُوا وَ لَم یُہاجِرُوا مَا لَکُم مِّن وَّلَایَتِہم مِّن شَیءٍ حَتّٰی یُہاجِرُو[30] ”جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو پناہ دی اور

---

[29]۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی: ”اسلامی ریاست“، (لاہور، اسلامک پبلیکیشنز ۱۹۶۷ء)، ص ۳۷۴

[30]۔ القرآن الکریم، الانفال: ۷۲

مدد کی یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو لوگ ایمان تو لائے ہیں لیکن ہجرت نہیں کی تو تمہارے لئے ان کی کوئی بھی رفاقت نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔"

اس آیت کی بنیاد پر مولانا صاحب شہریت کی دو بنیادیں اخذ کرتے ہیں۔ان میں ایک صاحب ایمان ہونا اور دوسرے دارالسلام کی رعایا ہونا یا بن جانا۔اگر کوئی شخص ایمان رکھتا ہے مگر دارالکفر کی تابعیت ترک کر کے دارالسلام میں نہ آبسے تو وہ دارالسلام کا شہری نہیں۔اس کے برعکس دارالسلام کے تمام باشندے، چاہے وہ وہیں پیدا ہوئے ہوں یا ہجرت کر کے آئے ہوں، دارالسلام کے یکساں شہری ہیں اور ایک دوسرے کے ولی و مددگار ہیں۔[31]

مولانا صاحب درج بالا آیت سے اخذ کردہ شہریوں کی ذمہ داریوں کا تعین کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ پہلی قسم یعنی مسلم (اہل ایمان) پر اسلام نے پورے نظام کو اٹھانے کی ذمہ داری ڈالی ہے، کیونکہ صرف اہل ایمان ہی اس نظام کو حق مانتے ہیں اس لئے اسلام ان پر اپنے حقوق و فرائض کی ادائیگی لازم قرار دیتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ریاست اور رعیت کے تحفظ اور مملکت کے دفاع کی ذمہ داری بھی انہی پر عائد کرتا ہے۔[32] اس کے برعکس ذمی شہری سے مراد وہ تمام افراد ہیں جو غیر مسلم ہیں اور اسلامی مملکت کی حدود میں رہ کر اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کرتے ہیں۔ اس طرح کے شہریوں کو اسلام ان کے مذہب، کلچر اور پرسنل لاء، جان، مال اور آبرو کے تحفظ کی مکمل ضمانت دیتا ہے اور ان کے لئے کلیدی عہدوں کے سوا تمام ملازمتوں کے دروازے کھلے رکھتا ہے البتہ ان کو دفاعی ذمہ داریوں سے استثنیٰ دیا جاتا ہے۔اس طرح اسلام اپنے ماننے اور نہ ماننے والوں کے درمیان ایک حد قائم کر دیتا ہے۔جو ماننے والے ہیں ان کو پوری طرح اپنے اصولوں کا پابند کرتا ہے اور ریاست کو انہی اصولوں پر چلانے کی ذمہ داری دیتا ہے اور جو نہ ماننے والے ہیں ان کو صرف اس حد تک پابند کرتا ہے جو ملک کا نظم و نسق چلانے کے لئے ضروری ہے اور انہیں ریاست کا نظام چلانے سے سبکدوش کرنے کے بعد ان کے تمام تمدنی، معاشی، معاشرتی، سیاسی اور انسانی حقوق کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔

31-سید ابوالاعلیٰ مودودی، "اسلامی ریاست" (لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۶۷)، ص ۳۷۵

32-ایضاً، ص ۳۷۶-۳۷۵

ڈاکٹر اسرار احمد بھی اسی بات کے قائل ہیں کہ کوئی بھی غیر مسلم کسی بھی صورت میں کسی اسلامی ریاست کا خلیفہ نہیں بن سکتا۔ حالانکہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کو خلافت عطافرمائی ہے لیکن جب کسی نے خود حاکمیت کا دعویٰ کیا یا کسی غیر اللہ کی حاکمیت کو قبول کر لیا تو پھر اس سے یہ حق چھین لیا گیا اور اب خلافت صرف مسلمانوں کا حق ہے۔ اس لئے ایک اسلامی ریاست میں صرف ایک مسلمان ہی خلیفہ بن سکتا ہے۔ اسی طرح کوئی غیر مسلم نہ مقننہ میں ہو گا اور نہ ہی کسی پالیسی ساز ادارے میں ہو گا کیونکہ قانون سازی کا سارادارومدار کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ پر ہے اور کیونکہ جو قرآن وسنت ہی کو نہ مانے وہ کیسے قانون سازی کر سکتا ہے۔ اور ایک صحیح اسلامی ریاست کا نظام حکومت خلافت پر قائم ہو گا اور اس کا مقصد اولین اپنے اس نظام کو پورے عالم میں پھیلانا ہو گا اور ظاہر ہے کہ ایک غیر مسلم کسی بھی دوسرے مذہب اور خاص طور پر اسلام کے پھیلاؤ کے لئے کس طرح مددگار بن سکتا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد غیر مسلم شہریوں کو وہ تمام حقوق دینے کے مکمل حق میں جو انہیں اسلام دیتا ہے۔ ان میں سرفہرست جان ومال اور عزّت وآبرو کے تحفظ کا حق ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں مکمل مذہبی آزادی بھی حاصل ہو گی البتہ وہ اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کر سکتے۔ انہیں نہ صرف یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی نسل کو اپنے مذہبی نظریات کے مطابق تعلیم وتربیت دے سکیں بلکہ ان کی عبادت گاہوں کو بھی مکمل تحفظ حاصل ہونا چاہیے۔[33]

عدم مماثلت:

ا۔ قیام خلافت کا طریق کار

ڈاکٹر اسرار احمد جب خلافت کے مراحل بیان کرتے ہیں تو اس میں ایک مرحلہ مسلح تصادم کا بیان کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ یقین راسخ ہے کہ رائج الوقت باطل نظام آسانی سے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے لوگوں کو اپنی جانوں کی قربانی دینی پڑے گی۔ خون کی ندیاں بہانا پڑیں گی۔ ان کا ماننا ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ کو اپنے خون کا نذرانہ پیش کرنا پڑا تو ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ آج نظام خلافت بنا خون بہائے قائم کیا جا سکے۔ اگر حضور ﷺ کا خون طائف کی زمین میں جذب ہوا، اور دامن اُحد میں گرا، تو اور کون شخص ہو گا جو یہ کہے گا کہ خون

---

33 ۔ڈاکٹر اسرار احمد، پاکستان میں نظام خلافت، کیا کیوں اور کیسے ؟، (لاہور، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ۲۰۰۵ص ۴۳

دیئے بغیر ایسا ہو سکتا ہے۔[34] ڈاکٹر صاحب راست اقدام کے قائل ہیں وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ دوطرفہ انقلابی جدوجہد کا اگلا مرحلہ تصادم ہے۔ان کا کہنا ہے کہ حضور ﷺ کی سیرت مطہرہ میں یہ دوطرفہ مرحلہ تصادم کی صورت میں وقوع پذیر ہوا۔ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اس مرحلہ کا آغاز ہجرت نبوی ﷺ کے بعد نبی کریم ﷺ کی طرف سے ہوا، مکّہ والوں کی طرف سے نہیں ہوا تھا۔اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غزوہ بدر سے پہلے بھیجی گئی آٹھ فوجی مہمات کے بارے میں سیرت نگاروں نے کوئی تفصیلی ذکر نہیں کیا بلکہ ان مہمات کا اجمالی ذکر کرتے ہوئے انہیں دو، تین صفحات میں سمیٹ دیا۔ڈاکٹر صاحب کے مطابق یہ سیرت نبوی ﷺ کا وہ نازک اور انتہائی اہم دور ہے جس میں اقدام اور پیش قدمی حضور ﷺ کی جانب سے ہو رہی ہے جس کے ذریعے قریش کی معاشی اور سیاسی ناکہ بندی کی گئی۔[35]

ڈاکٹر صاحب نہ صرف مفسرِ قرآن تھے بلکہ داعی خلافت بھی تھے اور قیامِ خلافت کے لئے مطلوبہ مراحل کو سیرت نبوی ﷺ سے اخذ کرنے کے دعویدار بھی تھے۔ان کی اس بات سے بصد احترام اختلاف کرتے ہوئے یہ واضح کیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ جب مکہ سے چلے آئے تو چند ہی روز کے بعد قریش نے عبداللہ بن ابی کو، جو واقعہ ہجرت سے قبل رئیس الانصار تھا اور انصار نے اس کی تاجپوشی کی شاہانہ رسم ادا کرنے کے لئے تیاری کر لی تھی، خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے، ''تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے، ہم اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو۔ ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کر دیں گے اور تم کو گرفتار کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔''قریش نے انہی باتوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جیسا کہ انہوں نے عبداللہ بن ابی کو خط لکھا تھا، تو اس کی تیاریاں کر رہے تھے کہ مدینہ پر حملہ کر کے اسلام کا استیصال کر دیں۔[36] عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اسلام جب تک مکہ میں تھا تب تک اسلام اور مسلمانوں کے لئے مصائب اور مشکلات کا دور تھا لیکن جب مدینہ ہجرت کر لی گئی تو ان کی مشکلات دور ہو گئیں، جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔مکہ میں صرف ایک دشمن تھا جو کہ بالکل سامنے تھا اور اعلانیہ

---

34 -ایضاً، پاکستان میں نظام خلافت، کیا کیوں اور کیسے ؟(،لاہور، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ۲۰۰۵)، ص ۵۲

35-ایضاً،۔۔۔ منہج انقلاب نبوی ﷺ، (تنظیم اسلامی لاہور، ۱۹۹۹،)ص ۱۲۷

36-علامہ شبلی نعمانی،، مولانا سید سلیمان ندوی، ''سیرت النبی ﷺ''، (اسد نیر پرنٹرز،)، ص ۱۹۹

دشمنی کرتا تھا۔ مدینہ میں انصار کے ساتھ ساتھ یہود بھی تھے جو کہ عادات اور خصائل، مذہب اور دیانت میں انصار سے بالکل مختلف اور ان کے حریف و مقابل تھے۔ ایک تیسری قسم بھی تھی جو کہ منافقین تھے جو کہ مار آستین ہونے کی وجہ سے زیادہ خطرناک تھے۔ اس صورتحال میں، مکہ اگر زیرِاثر آجاتا تو حرم کی وسعتِ اثر سے تمام عرب زیرِ نگیں ہو جاتا، لیکن مدینہ کا اثر چار دیواری تک محدود تھا۔ مدینہ اب تک بیرونی خطرات سے محفوظ تھا لیکن جب رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے یہ آپ ﷺ کی قیام گاہ بنا تو یہ قریش کے غیظ و غضب کے نشانے پر آگیا۔[37]

آنحضرت ﷺ کے مکہ سے چلے آنے کے بعد قریش نے یہ فیصلہ کیا کہ اسلام کو مٹادیا جائے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر اسلامی تحریک قائم رہی تو ایک طرف ان کے مذہب کو صدمہ پہنچے گا اور دوسری جانب تمام عرب میں ان کا جو اثر ورسوخ اور مراجعتِ عام ہے، سب جاتا رہے گا۔ اس بنا پر ایک طرف تو قریش نے خود مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں، دوسری طرف تمام عرب قبائل کو بھڑکایا کہ اگر یہ نیا گروہ کامیاب ہو گیا تو تمہاری آزادی، بلکہ ہستی ہی فنا ہو جائے گی۔ ان واقعات کی بنا پر ضروری تھا کہ اسلام اور دارالاسلام کی حفاظت کے لئے تمام ممکنہ ضروری اور احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں۔ اس سلسلہ کا سب سے پہلا کام یہ تھا کہ خبر رسانی اور جاسوسی کا وسیع پیمانہ پر انتظام کیا جائے۔ چنانچہ ابتدا ہی سے آپ ﷺ نے اس کی جانب توجہ فرمائی اور وقتاً فوقتاً کثرت سے چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا کر مختلف علاقوں کی جانب بھیجتے رہتے، یہ ٹکڑیاں گو محض خبر رسانی کے لئے جاتی تھیں لیکن حفاظت کے غرض سے مسلح اور جمیعت کی صورت میں جاتی تھیں۔ اس انتظام کا نتیجہ تھا کہ جب کوئی مدینہ پر حملہ کا ارادہ کرتا تو فوراً خبر ہو جاتی اور پیش دستی کر کے فوجیں بھیج دی جاتی۔[38]

اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ نے دین میں کہیں بھی جبر یا زبردستی کرنے کا حکم نہیں دیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ[39] ''دین میں کوئی جبر نہیں۔''

37-ایضاً، ص۱۹۹۔۱۹۸

38-ایضاً، ص ۳۶۲۔۳۶۱

39-القرآن الکریم، البقرۃ:۲۶

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دین اسلام میں کسی کو بھی جبراً مسلمان کرنے کا حکم نہیں۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب دین میں جبر ہی نہیں تو پھر جہاد و قتال کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی جن آیات میں جنگ و قتال (جہاد) کا حکم دیا ہے ان میں نہ صرف اس کی ضرورت اور غرض بیان کی گئی ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ حد بندی بھی کر دی گئی کہ کب، کہاں اور کن حالات میں جنگ کی اجازت ہے اور کہاں پر اس اجازت کی حد ختم ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جنگ کی اجازت و حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَقٰتِلُوْھمْ حتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃ وَیکُوْنَ الدِّیْنُ لِلہ ط فَاِنْ انْتَھوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ[40] ''اور ان سے لڑو جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے اور اللہ کا دین غالب نہ آ جائے۔اگر وہ (فتنہ برپا کرنے سے) باز آ جائیں تو جان لو کہ ظالموں کے سوا اور کسی پر زیادتی روا نہیں۔"

ایک اور مقام پر ارشادِ ربّانی ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِی الْاَرضِ فَکَاَنَّمَاقَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا[41] ''جو کوئی کسی جان کو قتل کرے بغیر اس کے کہ اس نے کسی کی جان لی ہو، یا زمین میں فساد برپا کیا ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کر دیا۔" ''

اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کسی کو قتل کرنا صرف دو صورتوں میں جائز ہے۔اول یہ کہ اس نے کسی کو ناحق قتل کیا ہو یا پھر زمین میں فساد پھیلایا ہو۔ان دو صورتوں کے علاوہ کسی کی جان لینا اتنا بڑا ظلم ہے کہ اللہ ربّ العزّت اس کو تمام انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سورۃ التوبہ میں جنگ و قتال کی آخری حد کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

قَاتِلُواْ الَّذِینَ لاَ یُؤْمِنُونَ بِاللّہ وَلاَ بِالْیَوْمِ الآخِرِ وَلاَ یُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّہ وَرَسُولُہ وَلاَ یَدِیْنُونَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ أُوتُواْ الْکِتَابَ حَتَّی یُعْطُواْ الْجِزْیَۃ عَن یَدٍ وَھمْ صَاغِرُون[42] ''اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر

40-القرآن الکریم،البقرۃ:۱۹۳

41-القرآن الکریم،المائدۃ:۳۲

پورا ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے حرام بتایا ہے، اور نہ ہی سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں، ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت بن کر اور رعیّت بن کر جزیہ دینا منظور کر لیں۔"

درج بالا آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب کفار جزیہ منظور کر کے رعایا بننے اور ماتحتی قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو پھر ان سے جنگ کرنا جائز نہیں۔

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ[43] "اب جن (مسلمانوں) سے (کافر) جنگ کر رہے ہیں انہیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور بے شک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ "

درج بالا آیات قرآنی اس بات کی روشن اور واضح دلیل ہیں کہ اللہ کا حکم جنگ و قتال صرف اور صرف ان کے خلاف ہے جو اسلام کی راہ میں آڑے آئیں۔ جو اسلام کو مٹانے کے درپے ہوں یا اللہ کی زمین پر فتنہ و فساد پھیلاتے ہوں اور حدود سے تجاوز کرتے ہوں۔ اور جو لوگ ایسا نہیں کرتے اور اللہ کے دین کو مٹانے یا دبانے کی کوشش نہیں کرتے، ان کے لئے اللہ کا دین سوائے امن و سلامتی کے کچھ نہیں۔ جو لوگ فساد فی الارض سے اجتناب برتتے ہوں اور مخلوق خدا کے سکون کو تباہ نہ کرتے ہوں پھر بھلے وہ کسی بھی قوم سے ہوں، اور اپنے باطل عقائد میں کتنے ہی پختہ کیوں نہ ہوں، اسلام کی نظر میں ان کی جان و مال حرام ہے۔

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِيْ الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ * إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوكُمْ فِيْ الدِّيْنِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُوْلَـٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ [44] "اللہ تمہیں اس سے منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ نہیں کی اور تمہیں گھروں سے نہیں نکالا، ان کے ساتھ احسان اور انصاف کرو کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ تو تمہیں صرف ان لوگوں

---

[42] القرآن الکریم، التوبہ: ۲۹

[43] القرآن الکریم، الحج: ۳۹

[44] القرآن الکریم، الممتحنہ: ۹۔۸

کے ساتھ دوستی کرنے سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ کی ہے اور تمہیں گھروں سے نکالا ہے اور تمہیں نکالنے میں دشمنوں کی مدد کی ہے۔ انہیں جو کوئی دوست بنائے وہ ظالم ہے۔

جہاد اور اعلا کلمۃ اللہ ہی وہ عمل ہیں جو اسلام کی سربلندی کا واحد ذریعہ ہیں، مگر جہاد کے لئے شریعت نے کچھ اصول اور ضوابط مقرر کئے ہیں۔ یہ جہاد مدافعت اعداء (دشمن کو روکنا) کے لئے ہوتا ہے۔ اسلام نے جارحانہ جنگ کی اجازت نہیں دی۔ اہل اسلام کو، جب وہ مظلوم ہوں، مدافعانہ جنگ کی اجازت ہے۔

اسلامی شریعت میں ملک گیری کی غرض سے تلوار اٹھانا قطعاً حرام ہے اس پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ جب یہ فعل حرام ہے تو آخر صحابہ کرامؓ اور خلفاء راشدین کے ان حملوں کی کیا توجیہہ پیش کی جائے گی جو انہوں نے عراق، شام، مصر، آرمینیا، ایران اور شمالی افریقہ کے ممالک پر کیے؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلام حکومت کے معاملے میں ''قومی اور اجنبی'' کی کوئی تمیز نہیں کرتا بلکہ ''عدل اور ظلم'' کو وجہ امتیاز قرار دیتا ہے۔ اگر ایک ملک کی حکومت خود اس کے اپنے باشندوں کے پاس ہو لیکن اس کے حکمران ظالم، جابر، بے ایمان، بدکار، نفس پرست اور خود غرض ہوں اسلام کی نگاہ میں وہ اتنے ہی قابل نفرت ہیں جتنے کوئی اجنبی حکمران ہو سکتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر کوئی غیر مقامی کسی علاقے یا ملک پر حاکم بن جاتا ہے اور وہ ہر معاملے میں عدل وانصاف اور امانت و دیانت کا ثبوت دیتا ہے اور خدا خوفی اور خدا ترسی کے ساتھ کام کرتا ہے، اپنی کسی بھی ذاتی غرض کے لئے اپنے اقتدار اور طاقت کو استعمال نہیں کرتا، تو اسلام کے نزدیک وہ غیر مقامی، اس ظالم اور بے ایمان مقامی حکمران سے بدرجہا بہتر ہے۔ اسلام اس معاملے کو ''قومیت اور وطنیت'' کی نگاہ سے نہیں بلکہ خاص ''انسانیت'' کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ ''صالح'' انسان بہر حال ''غیر صالح'' کے مقابلے میں قابل ترجیح ہے۔ اسلام کے اس تصّور کے مطابق کسی بھی حکومت کی اچھائی کا معیار نہ تو اس کا قومی اور خود اختیاری ہونا ہے اور نہ ہی برائی کا معیار اس کا اجنبی اور غیر خود اختیاری ہونا۔ اصل سوال یہ ہے کہ کیا حکومت کا نظام عادلانہ اور حق پرستانہ ہے یا کہ نہیں؟ اگر پہلی صورت ہے تو اسلام اس کو مٹانے کی کوشش تو درکنار اس کے ارادہ کو بھی گناہ اور ظلم عظیم سمجھتا ہے۔ لیکن

دوسری صورت میں وہ ایک ظالمانہ نظام حکومت کو مٹا کر ایک سچا عادلانہ نظام حکومت قائم کرنا اولین فرض قرار دیتا ہے۔[45]

اس سے یہ بات اخذ کرنا کہ اسلام قومی حکومت کا دشمن ہے، درست نہیں۔ وہ ہر قوم کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے کہ وہ اپنے احوال کی اصلاح خود کرے مگر جب کسی قوم کے اعمال بگڑ جائیں، اس کی اخلاقی حالت خراب ہو جائے اور وہ اپنے شریر اور مفسد لوگوں کی پیروی واطاعت اختیار کر کے ذلت ومسکنت کی پستیوں میں گر جائے تو اسلام کے نزدیک اس کو حکومت خود اختیاری کا حق باقی نہیں رہتا اور دوسرے لوگوں کو جو اس کے مقابلے میں صالح ہوں، اس پر حکومت کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔[46] قرآن کریم میں نافرمان اور بدکار قوموں کو جگہ جگہ یہ دھمکی دی گئی ہے کہ اگر انہوں نے اپنی اصلاح نہ کی تو ان کو معزول کر کے دوسروں کو آگے لایا جائے گا اور حق حکمرانی، نافرمانوں سے چھین کر صالحین کو دے دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَإِن تَتَوَلَّوْا يسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ[47]

"اگر تم حق سے منہ پھیروگے تو اللہ تمہارے بدلے دوسری قوم کو کھڑا کردے گا اور وہ لوگ تم جیسے نہیں ہوں گے"

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

[48] إِلاَّ تَنفِرُواْ يُعَذِّبْكُمْ عَذَاباً أَلِيماً وَيَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَكُمْ وَلاَ تَضُرُّوهُ شَيئاً وَاللّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر

"اگر تم (راہ الٰہی میں جہاد کے لئے) نہ نکلے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کردے گا اور بدلے تمہارے دوسری قوم کو کھڑا کردے گا اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيأْتِ بِآخَرِيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلَى ذَلِكَ قَدِير)[49]

---

[45]-سید ابوالاعلیٰ مودودی، :الجہاد فی الاسلام، (پبلشر ندارد، سنہ ندارد،)ص۸۸۔۸۷

[46]-ایضاً، ص۸۸

[47]-القرآن الکریم، محمد:۳۸

[48]-القرآن الکریم، التوبہ:۳۹

''لو گو! اگر خدا چاہے تو تم کو ہٹا دے اور دوسرے لوگوں کو تمہاری جگہ لے آئے۔ اور اللہ اس پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

درج بالا آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کے نزدیک وہی قوم حق حکمرانی رکھتی ہے جو اعلیٰ اوصاف کی حامل ہو اور جو قوم ان اوصاف سے عاری ہو جائے اس سے حق حکمرانی چھین لیا جاتا ہے۔ یہ حق حکمرانی کے اوصاف محض قوت اور طاقت نہیں ہیں بلکہ یہ وہ خاص صلاحیت ہے جس کا تعلق صرف ایک اللہ کی بندگی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ یہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی کو روکتے ہیں۔ ہر اچھا اور نیک عمل کرنے کو تیار رہتے ہیں اور خود کو ہر ایک عمل کے لئے اللہ کے آگے جوابدہ سمجھتے ہیں۔

مولانا مودودی کے تصّور خلافت کے مطابق اسلامی نظریہء سیاسی کی رو سے جو ریاست قائم ہو گی وہ دراصل خدا کی حاکمیت کے تحت انسانی خلافت ہو گی جسے خدا کے ملک میں اس کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر کام کر کے اس کا منشاء پورا کرنا ہو گا۔ اس معنی میں اسلامی نظریہ سیاسی کسی ایک شخص، خاندان، یا طبقے کو خلیفہ قرار نہیں دیتا بلکہ اُس پوری سوسائٹی کو خلافت کا منصب سونپتا ہے جو توحید اور رسالت کے بنیادی اصولوں کو تسلیم کر کے نیابت کی شرطیں پوری کرنے پر آمادہ ہو۔ ایسی سوسائٹی بحیثیت مجموعی خلافت کی حامل ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے اسلام میں ''جمہوریت'' کی ابتدا ہوتی ہے۔ اسلامی معاشرے کا ہر فرد خلافت کے حقوق اور اختیارات رکھتا ہے۔ ان حقوق و اختیارات میں تمام افراد بالکل برابر کے حصّے دار ہیں۔ ریاست کا نظم و نسق چلانے کے لئے جو حکومت بنائی جائے گی وہ انہی افراد کی مرضی سے بنے گی۔ یہی افراد اپنے اختیاراتِ خلافت کا ایک حصّہ اسے سونپیں گے۔ جو ان کا اعتماد حاصل کرے گا، وہ خلافت کے فرائض سرانجام دے گا، اور جو ان کا اعتماد کھو دے گا، اسے حکومت کے اس منصب سے ہٹنا پڑے گا۔ اس لحاظ سے ''اسلامی جمہوریت، ایک مکمل جمہوریت ہے۔'' جو چیز اس جمہوریت کو مغربی جمہوریت سے الگ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مغرب کا نظریہء سیاسی ''جمہوری حاکمیت'' کا قائل ہے اور اسلام ''جمہوری خلافت'' کا۔[50]

49۔ القرآن الکریم، النساء: ۱۳۳

50۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی: ''اسلام کا نظام حیات'' (پبلشر و سن ندارد)، ص ۱۳۔ ۱۲

مولانا مودودی قیام خلافت کے لئے افراد کی ذہنی تربیت کے قائل تھے۔ان کا نظریہ یہ تھا کہ اگر افراد کی صحیح تربیت کی جائے تو آہستہ آہستہ تمام معاشرہ ذہنی طور پر تربیت یافتہ ہوتا چلا جائے گا اور پھر موجودہ سیاسی نظام کی جگہ خود بخود اسلام کا نظام خلافت رائج ہو جائے گا۔

انہی افکار کو قابل عمل بنانے کے لئے مولانا صاحب نے جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی اور امت مسلمہ، خصوصاً مسلمانان ہندوستان کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔جماعت اسلامی میں شامل ہونے والوں کے لئے یہ شرط لازم تھی کہ وہ محض ''مسلمان'' نہ ہوں بلکہ انہیں کلمہ طیبہ کے کم از کم معنی و مفہوم اور متقضیات کو جان کر اس پر ایمان لانا ہے کیونکہ ان کا کام پوری دنیا کے نظام کو بدلنا ہے۔اب چاہے وہ دنیا کا اخلاقی و سیاسی نظام ہے یا معاشی و معاشرتی، ہر چیز کو بدلنا ہے۔دنیا میں جو نظام حیات اب تک رائج ہے اللہ سے بغاوت پر قائم ہے۔اسے بدل کر اللہ کی اطاعت پر قائم کرنا ہے۔یہ وہ بنیادی نکتہ تھا کہ جس کی بناء پر مولانا صاحب نے جماعت اسلامی کی داغ بیل ڈالی کہ اس کے پلیٹ فارم سے اور اپنے کارکنوں کی مدد سے وہ افراد کی ذہنی تربیت کر سکیں اور اس طرح نظام خلافت کی راہ ہموار کر سکیں۔[51]

۲۔خلافت راشدہ کا تصّور

خلافت راشدہ کے بارے میں مولانا مودودی کا تصّور وہی تھا جو عام طور پر رائج ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد آنے والے چار صحابہ کرامؓ، حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کا دور خلافت خلافت راشدہ کہلاتا تھا۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ مولانا صاحب کا یہ نظریہ بھی تھا کہ پہلے دو خلفاء راشدین (حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ) کا دور خلافت صحیح معنوں میں خلافت راشدہ کا دور تھا جبکہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت سے ملوکیت کی ابتداء ہو گئی تھی جو کہ حضرت امیر معاویہؓ کے متفقہ طور پر خلیفہ بنتے ہی اپنے عروج کو پہنچ گئی۔[52] مولانا مودودی نے اپنی تصنیف خلافت و ملوکیت'' میں اس موضوع پر نہایت تفصیل سے اپنی رائے کا اظہار کیا۔اپنے اس نظریے کی وجہ سے مولانا مودودی کو علماء نے نہ صرف شدید تنقید کا نشانہ بنایا بلکہ ان پر کفر

51- شعبہ تنظیم اسلامی: روداد اسلامی، حصہ اول، (لاہور، میٹرو پرنٹرز)، ص ۱۶-۱۲

52-سید ابوالاعلیٰ مودودی، ''تجدید واحیائے دین''(، ایس۔بی۔پرنٹرز، ۱۹۹۹) ص ۳۶-۵۳

تک کے فتاویٰ لگائے گئے۔ یہاں تک کہ انہیں دین اسلام میں ایک نئے فرقہ کا بانی تک قرار دے دیا گیا۔ان کے برعکس ڈاکٹر اسرار احمد چاروں خلفاء کے دور خلافت کو خلافت راشدہ کا دور تسلیم کرتے ہیں۔ان کا کہنا یہ ہے کہ خلافت راشدہ یا خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے بعد جس نظام کو عرف عام میں خلافت کہا جاتا ہے حدیث نبوی ﷺ میں اسے ملوکیت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔تاہم اس دور کو ہم اس معنی میں خلافت کہہ سکتے ہیں کہ وہاں کم از کم نظری طور پر کتاب و سنت کی مکمل بالادستی تسلیم کی جاتی تھی۔اس قسم کی بالادستی خلافت بنوامیّہ میں بھی تھی اور خلافت بنوعباس میں بھی اور خلافت عثمانیہ میں بھی یہ بالادستی قائم رہی۔ہاں اقتدار کی منتقلی اور دولت کی تقسیم کا نظام عملاً بدل گیا تھا۔ڈاکٹر صاحب کے نزدیک بنوامیّہ کا ۹۰ برس کا دور خلافت دراصل عبوری مدت ہے اور اصل ملوکیت تو بنوعبّاس کے دور میں شروع ہوئی۔[53]

۳۔اسلامی ریاست میں خواتین کا کردار

اسلامی ریاست کے ریاستی معاملات میں خواتین کے کردار کے حوالے سے مولانا مودودی کافی حد تک سخت موقف رکھتے تھے اور اسلامی ریاست میں خواتین کے عمل دخل کے مخالف تھے اپنے موقف کے حق میں انہوں نے قرآن سے درج ذیل آیت بطور دلیل پیش کی۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاء [54] ''مرد عورتوں پر قوام ہیں ''

اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا صاحب کہتے ہیں کہ مملکت کے مناصب (خواہ وہ صدارت ہو یا وزارت، مجلس شوریٰ ہو یا کسی محکمہ کی ادارت) عورتوں کے سپرد نہیں کی جا سکتے۔اس لئے کسی اسلامی ریاست کے دستور میں عورتوں کو یہ پوزیشن دینا یا اس کی گنجائش رکھنا اسلامی احکامات کی سراسر خلاف ورزی ہے اور اطاعت خدا و رسول اللہ ﷺ کی دعویدار ریاست اس کی مجاز نہیں۔مولانا صاحب کے خیال میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو گھروں تک محدود رکھا ہے اور جب عورت کو گھر میں مرد پر برتری حاصل نہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ عورت کو مملکت میں

53۔ڈاکٹر اسرار احمد،: خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام،لاہور، مکتبہ جدید پریس، ۱۹۸۲، ص ۸۵

54۔القرآن الکریم،النساء: ۳۴

مردوں پر برتری دے دی جائے۔[55] مولانا صاحب کا یہ کہنا تھا کہ مرد کے دائرہ عمل میں آکر عورتیں کبھی بھی مردوں سے زیادہ کامیاب نہیں ہو سکتیں اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے عورت کی تخلیق اس مقصد کے لئے نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کی ذمہ داریاں الگ الگ رکھی ہیں اور اسی کی مناسبت سے انہیں وجود عطا کئے ہیں۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ مولانا مودودی کی سیاسی جماعت، جماعت اسلامی میں خواتین بھی شامل ہوتی چلی گیئں اور اب صورتحال یہ ہے کہ جماعت میں باقائدہ شعبہ امور خواتین /حلقہ ءخواتین کا قیام عمل میں آچکا ہے۔اور خواتین کی ایک بڑی تعداد جماعت اسلامی کی سرگرم وفعال رکن بن چکی ہیں۔

مولانا مودودی کے برعکس ڈاکٹر اسرار احمد خواتین کے سیاسی کردار میں کافی حد تک لچک کا مظاہرہ کرتے ہوئے جو موقف اختیار کرتے ہیں اس کے مطابق یہ بات تو ناممکن ہے کہ کوئی عورت خلافت کے منصب پر فائز ہو سکے اور وہ بھی اس لئے کہ ڈاکٹر صاحب اس کو حرام مطلق تو نہیں البتہ مکروہ تحریمی کی حد تک ناپسندیدہ مانتے ہیں۔ جہاں تک خلیفہ اور ارکان شوریٰ کی رکنیت کا معاملہ ہے، وہاں خواتین کو بھی رائے دہی کا حق حاصل ہوگا۔ ڈاکٹر اسرار احمد خواتین کی مجلس شوریٰ میں شرکت کے معاملے میں اپنی جداگانہ رائے رکھتے ہیں ان کے مطابق اگر مجلس شوریٰ میں خواتین کی شرکت کی گنجائش رکھی جاتی ہے تب بھی ان کے لئے ستر وحجاب کے شرعی احکامات کی پابندی لازمی ہوگی۔[56]

۴۔اسلام میں قانون سازی اور اجتہاد

ڈاکٹر اسرار احمد کا ماننا ہے کہ اگر ہمیں عصر حاضر میں نظام خلافت کو اس کی اصل شکل میں قائم کرنا ہے تو ہمیں اجتہاد کا وہ دروازہ کھولنا ہوگا جسے ہم نے کئی سو سال سے بند کر رکھا ہے۔[57] ڈاکٹر صاحب کے مطابق اب اجتہاد پارلیمنٹ کے ذریعے سے ہوگا۔ان کا کہنا ہے کہ پارلیمنٹ کے ذریعہ جو اجتہاد ہوگا وہ قرآن وسنت کے اندر رہتے ہوئے

55۔سید ابوالاعلیٰ مودودی،،:"اسلامی ریاست"،لاہور،اسلامک پبلیکیشنز،۱۹۶۷ء، ص ۵۳۲۔۵۳۰

56۔ڈاکٹر اسرار احمد،، پاکستان میں نظام خلافت، کیا کیوں اور کیسے ؟،لاہور، شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ۲۰۰۵، ص ۲۹

57۔ایضاً، ص ۲۴۔۲۳

ہو گا۔اس لئے کہ پارلیمنٹ کو بھی یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ جو کچھ بھی پاس کرے وہ قانون بن جائے۔[58] ڈاکٹر صاحب کا کہنا یہ بھی ہے کہ فقہاء کا اصول یہ ہے کہ ہر شے حلال ہے سوائے اس کے کہ کسی چیز کی حرمت ثابت نہ ہو جائے اور اگر یہ اصول ہوتا کہ ہر شے حرام ہے سوائے اس کے کہ کسی چیز کا حلال ہونا ثابت ہو جائے تو حلال کا دائرہ بہت سکڑ جاتا جبکہ حرام کا دائرہ پھیل جاتا اب کیونکہ مباحات کا دائرہ بہت وسیع ہے تو اس کی حد میں رہتے ہوئے قانون سازی کی جاسکتی ہے۔[59]

مولانا مودودی کا نظریہ یہ تھا کہ اسلام میں دائرہ عبادات میں قانون سازی کی کوئی گنجائش نہیں، البتہ عبادات کے علاوہ، معاملات میں اس دائرے کے اندر قانون سازی کی گنجائش ہے جہاں کتاب و سنت خاموش ہیں۔ اسلام میں قانون سازی کی بنیاد اصول پر ہے کہ عبادات میں صرف وہی عمل کرو جو بتایا گیا ہے اور اپنی طرف سے کوئی طریقہ عبادت ایجاد نہ کرو اور معاملات میں جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اس پر پابند رہو اور جس چیز سے روک دیا گیا ہے اس سے رک جاؤ اور جس چیز کے بارے میں شارع (اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ) نے سکوت اختیار کیا ہے، اس میں تم اپنی صوابدید پر عمل کرنے کے لئے آزاد ہو اس لئے قانون سازی کا اختیار اہل علم کے پاس ہے۔[60]

مماثلت

1--ڈاکٹر اسرار احمد اور مولانا مودودی قرآن کی روشنی میں خلافت کی وضاحت کرتے ہیں۔ دونوں داعیان خلافت کرہ ارض پر بعد از اسلام، اولین اور کامل ترین خلافت، خلافت رسول اللہ ﷺ پر نہ صرف ایمان رکھتے ہیں بلکہ اسی انداز خلافت کے دوبارہ قیام کے خواہش مند ہیں۔ دونوں اکابر اس بات کے قائل ہیں کہ حاکمیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور خلافت اللہ کی نیابت کا نام ہے۔

---

58 -ایضاً

59-ڈاکٹر اسرار احمد، :''خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام''، لاہور، مکتبہ جدید پریس ۱۹۸۲، ص ۹۴

60-سید ابوالاعلیٰ مودودی، :''اسلامی ریاست''، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۶۷، ص ۴۷۸

2-ڈاکٹر اسرار احمد اور مولانا مودودی موجودہ سیاسی نظام سے مخالفت رکھتے ہیں۔ان دونوں کے نزدیک عصر حاضر کا سیاسی نظام ملحدانہ اور مشرکانہ ہے جس نے مذہب کو بالکل بے دخل کر دیا ہے اور مذہب کو صرف عبادات تک ہی محدود کر دیا ہے۔

3-ڈاکٹر اسرار احمد کے نزدیک قیام پاکستان ایک معجزہ تھا اور اس کا قیام اصل میں اللہ تعالیٰ کی حکمت عملی، اس کی مشیت اور اس کی تدبیر سے ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ اگر کوئی قوم اللہ سے وعدہ کرے کہ اے اللہ ہمیں آزادی دے ہم تیرے دین کا بول بالا کریں گے، تو اللہ اسے ضرور آزادی دیتا ہے۔مولانا مودودی کا موقف یہ ہے کہ کسی بھی انقلاب سے پہلے قوموں میں تمدنی، معاشرتی اور ذہنی انقلاب آنا لازم ہے اور اسے وہ اسلامی انقلاب کا فطری طریقہ سمجھتے تھے ان کا خیال یہ تھا کہ اب جب کہ ہندوستان میں سیاسی انقلاب (قیام پاکستان کی شکل میں) پہلے آیا ہے اس لئے اب اس سیاسی طاقت کو اسلام کے نظام کے قیام کے لئے استعمال کرنا چاہئے۔

4-۔ڈاکٹر صاحب پاکستان کے دستور کو منافقت کا پلندہ قرار دیتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ منافق وہ ہوتا ہے جو ظاہر میں مسلمان اور باطن میں کافر ہو۔پاکستان کے دستور کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔اس دستوری نفاق کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کا ماننا تھا کہ اگر قرارداد مقاصد کو بقیہ دستور پر حاوی قرار دے دیا جاتا تو بھی یہ اس ملک میں اسلامی نفاذ کے قیام کے لئے کافی تھا۔ مگر ایسا نہ کیا گیا۔مودودی صاحب کا ماننا ہے کہ موجودہ زمانے میں جتنے جمہوری نظام بنے ہیں، (جن کی شاخ ہندوستان کی موجودہ اسمبلیاں بھی ہیں) وہ اس مفروضے پر مبنی ہیں کہ باشندگانِ ملک اپنے دینوی معاملات کے متعلق تمدن سیاست، معیشت، اخلاق اور معاشرے کے اصول خود وضع کرنے اور ان پر تفصیلی قوانین وضوابط بنانے کا حق رکھتے ہیں اور اس قانون سازی کے لئے رائے عامہ سے بالاتر کسی سند کی ضرورت نہیں۔یہ نظریہ اسلام کے بالکل برعکس ہے۔اس لئے مولانا مودودی کا یقین یہ تھا کہ کہ جو اسمبلیاں یا پارلیمنٹیں موجودہ زمانے کے جمہوری اصول پر مبنی ہیں، ان کی رکنیت حرام ہے اور ان کے لئے ووٹ دینا بھی حرام ہے۔

5-ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق ایک ریاست کا وجود اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس ریاست کے باشندے وہاں اپنے مذہبی نظریات، رسوم ورواج اور تہذیب وتمدن کے مطابق اپنی زندگی گذار سکیں۔ایک اسلامی ریاست کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے مطابق زندگی گذاری جائے اور اللہ کا نظام قائم کیا جائے

کہ دین اسلام اپنا غلبہ چاہتا ہے۔ مولانا مودودی کا ماننا ہے کہ اللہ کی سیاسی اور قانونی حاکمیت کا تصور اسلام کے اولین بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے۔۔ایک اسلامی ریاست کے دستور کی دوسری بنیاد یہ ہے کہ اللہ کی حاکمیت کے اقرار کے بعد دوسرا اقرار یہ ہونا چاہیے کہ اس ریاست میں کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بھی ماخذ قانون کی حیثیت حاصل ہو گی۔اور اس کی انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ میں سے کسی کو بھی کتاب وسنت کے خلاف احکام دینے، قانون بنانے اور فیصلہ کرنے کا اختیار نہ ہو گا۔

6۔غیر مسلموں کے حقوق کے حوالے سے دونوں داعیان خلافت کے نظریات وتصّورات میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ڈاکٹر اسرار احمد بھی اسی بات کے قائل ہیں کہ کوئی بھی غیر مسلم کسی بھی صورت میں کسی اسلامی ریاست کا خلیفہ نہیں بن سکتا۔ڈاکٹر اسرار احمد غیر مسلم شہریوں کو وہ تمام حقوق دینے کے مکمل حق میں جو انہیں اسلام دیتا ہے۔ان میں سر فہرست جان ومال اور عزّت وآبرو کے تحفظ کا حق ہے۔اس کے ساتھ ساتھ انہیں مکمل مذہبی آزادی بھی حاصل ہو گی۔

عدم مماثلت

1۔ڈاکٹر اسرار احمد جب خلافت کے مراحل بیان کرتے ہیں تو اس میں ایک مرحلہ مسلح تصادم کا بیان کرتے ہیں۔ڈاکٹر صاحب کا یہ یقین راسخ ہے کہ رائج الوقت باطل نظام آسانی سے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔اس مقصد کے حصول کے لئے لوگوں کو اپنی جانوں کی قربانی دینی پڑے گی۔خون کی ندیاں بہانا پڑیں گی۔ان کا ماننا ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ کو اپنے خون کا نذرانہ پیش کرنا پڑا تو ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ آج نظام خلافت بنا خون بہائے قائم کیا جا سکے۔ مولانا مودودی قیام خلافت کے لئے افراد کی ذہنی تربیت کے قائل تھے۔ان کا نظریہ یہ تھا کہ اگر افراد کی صحیح تربیت کی جائے تو آہستہ آہستہ تمام معاشرہ ذہنی طور پر تربیت یافتہ ہوتا چلا جائے گا اور پھر موجودہ سیاسی نظام کی جگہ خود بخود اسلام کا نظام خلافت رائج ہو جائے گا۔

2۔خلافت راشدہ کے بارے میں میں مولانا مودودی کا تصّور وہی تھا جو عام طور پر رائج ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد آنے والے چار صحابہ کرامؓ، حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کا

دور خلافت خلافت راشدہ کہلاتا تھا۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ مولانا صاحب کا یہ نظریہ بھی تھا کہ پہلے دو خلفاء راشدین (حضرت ابو بکرؓاور حضرت عمرؓ)کادور خلافت صحیح معنوں میں خلافت راشدہ کادور تھا جبکہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت سے ملوکیت کی ابتداء ہو گئی تھی جو کہ حضرت امیر معاویہؓ کے متفقہ طور پر خلیفہ بنتے ہی اپنے عروج کو پہنچ گئی-۔ان کے برعکس ڈاکٹر اسرار احمد چاروں خلفاء کے دور خلافت کو خلافت راشدہ کادور تسلیم کرتے ہیں۔ان کا کہنا یہ ہے کہ خلافت راشدہ یا خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے بعد جس نظام کو عرف عام میں خلافت کہا جاتا ہے حدیث نبوی ﷺ میں اسے ملوکیت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔تاہم اس دور کو ہم اس معنی میں خلافت کہہ سکتے ہیں کہ وہاں کم از کم نظری طور پر کتاب وسنت کی مکمل بالادستی تسلیم کی جاتی تھی-

3- اسلامی ریاست کے ریاستی معاملات میں خواتین کے کردار کے حوالے سے مولانا مودودی کافی حد تک سخت موقف رکھتے تھے اور اسلامی ریاست میں خواتین کے عمل دخل کے مخالف تھے- مولانا مودودی کے برعکس ڈاکٹر اسرار احمد خواتین کے سیاسی کردار میں کافی حد تک لچک کا مظاہرہ کرتے ہوئے جو موقف اختیار کرتے ہیں اس کے مطابق یہ بات تو ناممکن ہے کہ کوئی عورت خلافت کے منصب پر فائز ہو سکے اور وہ بھی اس لئے کہ ڈاکٹر صاحب اس کو حرام مطلق تو نہیں البتہ مکروہ تحریمی کی حد تک ناپسندیدہ مانتے ہیں۔

4- ڈاکٹر اسرار احمد کا ماننا ہے کہ اگر ہمیں عصر حاضر میں نظام خلافت کو اس کی اصل شکل میں قائم کرنا ہے تو ہمیں اجتہاد کا وہ دروازہ کھولنا ہو گا جسے ہم نے کئی سو سال سے بند کر رکھا ہے-ڈاکٹر صاحب کے مطابق اب اجتہاد پارلیمنٹ کے ذریعے سے ہو گا۔ان کا کہنا ہے کہ پارلیمنٹ کے ذریعہ جو اجتہاد ہو گا وہ قرآن وسنت کے اندر رہتے ہوئے ہو گا۔ مولانا مودودی کا نظریہ یہ تھا کہ اسلام میں دائرہ عبادات میں قانون سازی کی کوئی گنجائش نہیں،البتہ عبادات کے علاوہ،معاملات میں اس دائرے کے اندر قانون سازی کی گنجائش ہے جہاں کتاب وسنت خاموش ہیں-

حاصل کلام

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمانوں میں اسلامی نظام حکومت (جسے اصطلاح میں نظام خلافت کہتے ہیں) کا حقیقی تصور پیش کیا جائے اور نظام خلافت کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا خاتمہ کر کے اس کی اصل شکل کو سامنے لایا جائے۔آج مسلمانوں کو ملی وحدت میں پرونے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ مسلمان نظام خلافت قائم

کریں اور متّحد ہو کر اسلام اور مسلمانوں کا تحفظ کریں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں میں نظام خلافت قائم ہو اور وہ ایک امیر کی قیادت میں اسلام کو غالب کریں اور سامراجی قوتوں کا مقابلہ کریں۔